ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.7.No.4, 2024

اکیسویں صدی کے اردو ناول استعاراتی تناظر میں

21ST CENTURY URDU NOVELS IN A METAPHORICAL PERSPECTIVE

1. **Dr. Uzma Noreen,** Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot
2. **Dr. Parveen Kallu*** , Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad, drparveenkallu@gcuf.edu.pk
3. **Dr.Muhammad Rahman,** Assitant Professor_Urdu Department Hazara University Mansehra

Abstract

The Urdu novel is alive. In the rapidly emerging global village, the importance of every language and its literature is doubling. A language and literature that is alive in its development and creations also has a bright future. That is why the Urdu novel is also alive and thriving. At the end of the 21st century and especially in the last decade, it seemed that the Urdu novel was taking its last breath, but from the beginning of the 21st century, the Urdu novel started showing its strength. In an era where there is talk of the trend of electronic books, novels like Mirza Athar Baig's Ghulam "Khushion ka Bagh" and Shams-ur-Rehman Farooqui's "Kai Chand Thi Sir-e-Asaman" with their thick and modern style, form and technique have attracted the attention of the reader in Pakistan and India. The number of Pakistani and Indian novels written in Urdu during these 18 years of the 21st century is considerable, therefore, only eight novels have been selected in this article, out of which seven Pakistani and one Indian author have been studied. These include Mirza Athar Baig's Ghalambagh, "Sifar Se Ek Tak", "Hasan's Soorat Qaal", Muhammad Hameed Shahid's "Mitti Adam Khai Hay", Hassan Manzar's "Dhani Bakhsh kay Betay", Obaidullah Baig's "Rajput", and Shams-ur-Rehman Farooqi's "Qabs-e-Zama".

Key Words:
21st Century Urdu Novel, Metaphorical Perspective, Mirza Athar Baig, "Ghulam Bagh", Shams-ur-Rehman Farooqui, "Kai Chand Thi Sir-e-Asaman", Mirza Athar Baig's Ghalambagh, "Sifar Se Ek Tak", "Hasan's Soorat Qaal", Muhammad Hameed Shahid's "Mitti Adam Khai Hay", Hassan Manzar's "Dhani Bakhsh kay Betay", Obaidullah Baig's "Rajput", Shams-ur-Rehman Farooqi's "Qabs-e-Zama".

اگر ہم موجودہ صدی میں اردو ناول پر نظر ڈالیں تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مابعد جدید بیانیہ کی وجہ سے ناول میں بہت سی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ان میں سب سے اہم اور شاید سب سے ناگزیر بیانیہ استعاراتی ہے کیوں کہ ایک تخلیق کار چند اشاروں میں سچائی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یوں یہ اشارے استعاراتی انداز کے بن جاتے ہیں۔استعاراتی انداز کچھ خاص مفاہیم اور تہہ داری کے حامل ہوتے ہیں۔ناول اپنی خاص سوجھ بوجھ کے ذریعے سے پیچیدہ اور دشوار گزار بیانیے کے ذریعے سے عام قارئین کی سوچ سے زیادہ بلند دنیائیں متعارف کراتا ہے۔ساتھ ساتھ تشبیہات و استعارات کے ذریعے سے اپنے بیان کو سمجھنے سنوارنے کے عمل کے بعد تحریر کو مزین کرتا ہے اور اپنے بیان کے ذریعے سے مختلف گرہیں کھول دیتا ہے۔

موجودہ دور میں چوں کہ استعاراتی بیانیہ کی ضروت اور اہمیت بہت زیادہ ہے اس لیے لغات اور اشاراتی کتب کے ذریعے سے رجوع کرتا ہے۔دورِ حاضر کے جنباتی کرشمہ سازوں کے ذریعے علوم و فنون کے انبار لگا کر مخصوص فن کے ذریعے سے مخصوص متن میں پیش کرتا ہے۔

اس سے مختلف معنی خیز بیانیے وجود میں آتے ہیں اور یوں اثر پذیری اور معنیاتی سطحوں پر مختلف مفاہیم بیان ہوتے ہیں۔اس کے ذریعے سے عقل اور شعور و فراست کا امتحان لیا جا سکتا ہے۔اس حوالے سے موجودہ صدی کے ناول نگاروں میں پہلا نام مشرف عالم ذوقی کا ہے۔انھوں نے اپنے ناولوں "مرگِ انبوہ" اور "مردہ خانے میں عورت" میں استعاراتی بیانیے کے ذریعے سے جدید رویوں کی عکاسی کی ہے۔ "مرگِ انبوہ" کو پوری دنیا کے لیے قتل و غارت کے استعارے کے طور پر استعمال میں لایا گیا ہے۔اس طرح انھوں نے گاندھی کے لیے "نیم عریاں فقیر" کا استعارہ بیان کیا ہے۔اگرچہ انھوں نے اپنی فہم و فراست سے برطانوی حکومت کو جھکا دیا تھا اور اپنی

ضد اور ہٹ دھرمی کا استعمال کر کے ان کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ مگر آج کا ہندوستان اس "مرگِ انبوہ" کی تصویر پیش کرتا ہے جس طرح نازی جرمنی نے یورپ میں ظلم وستم روا رکھا تھا اور ہٹلر کی نازی پالیسی کی وجہ سے جرمنی پوری دنیا میں ظالم کا استعارہ بن گیا تھا۔ اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"آئیڈیالوجی بھی ایک فریب ہے۔۔۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۳۹ء کے آخر میں نازیوں نے بڑے پیمانے پر گیس چیمبر کا استعمال کیا۔ تجربات کے آغاز میں سب سے پہلے ذہنی مریضوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔۔۔ مقتل گاہوں میں جانوروں کی طرح انسان بھر دیئے گئے ۔"(۱)

غرض اس ناول میں مشرف عالم ذوقی کا طرزِ بیان استعاراتی اور تشبیہاتی انداز لیے ہوئے ہے۔ ناول میں عہد حاضر کے ظلم وستم کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ تاریخی انقلابات کو بھی اسی طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ صدیوں سے انسانوں پر ظلم وستم کی داستانیں رقم ہوتی رہی ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر جیسی خون آشام مثال سے واضح ہوتا ہے کہ سامراجی قوتیں کس طرح غریب ملکوں کے وسائل پر نظریں جمائے بیٹھی ہیں۔ اسی کے حوالے سے مرگِ انبوہ" میں استعاراتیہ بیانیے کے ذریعے سے علامات ظاہر کی گئی ہیں۔ یوں یہ ناول مختلف علامتوں کی ایک دستاویزی مثال بن جاتا ہے۔

دنیا میں مختلف قسم کی تہذیبیں اپنے عروج پر پہنچیں۔ بعد میں یہی تہذیبیں مختلف عوامل کی وجہ سے زوال پذیر ہوئیں۔ جیسے سندھ کی تہذیب، سومیری تہذیب، گندھارا تہذیب، ہویوٹامین یا ایرانی تہذیب وغیرہ۔ آج ان تہذیبوں کے نام ونشان تک محفوظ نہیں ہیں۔ جو ماضی میں طاقت کی علامت تھا وہ آج ہر سطح پر زوال کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور آج جو اپنی طاقت کے نشے میں بدمست ہاتھی کی طرح چنگاڑ رہا ہے وہ کل اپنی شکست پر نوحہ کناں ہوگا۔ یہ دنیا مکافاتِ عمل ہے ار و یہی دنیا میں ہوتا آرہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جیسے میر تقی میر کہتے ہیں:

جس سر کو آج غرور ہے تاجوری کا
کلاس پہ یہی شور ہے پھر نوم گری کا (میر)

"مرگِ انبوہ" میں منافرت اور ظلم وستم کے حوالے سے علامتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مرکزی کردار مرزا پاشا اور جہانگیر مرزا کے ذریعے خفیہ وارداتوں اور سیاسی چالوں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ہندوستانی سیاست کے حوالے سے صیہونی طاقتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی بے بسی کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس طرح موجودہ انسانی حباشتوں پر طنز کے تیر چلائے گئے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو سائنس کی ترقی کو ذہنی عیاشی میں میلا کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جیسے ہی آپ نیٹ کھولتے ہیں۔ مختلف طریقوں کے ذریعے سے فاشی کے نت نئے پورن سائٹس لانچ کی جا رہی ہیں جو انسان کی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔ اس طرح ذوقی نے بھی یہی کچھ اس ناول میں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ مشرف عالم ذوقی کے ایک اور ناول "مردہ خانے میں عورت" میں بھی علامتی اور استعاراتی بیانیہ اختیار کیا گیا ہے۔ ناول کی کئی پرتیں ہیں جن میں ایک پرت انفرادیت سے اجتماعیت کی جانب سفر بھی ہے۔ اس بیانیے کو لفظیاتی اور معنیاتی سطح پر اجاگر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ناول نگار نے اس دنیا کو "مردہ خانے" سے تشبیہ دی ہے۔ انسان اور جانور اس کے لیے کیا کیا نہیں کرتے اور اس طرح انسان جانور سے بھی بدتر درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ ناول میں لفظ "موت" سے مختلف اساطیری اور فلسفیانہ تصور کے مباحث شامل کیے گئے ہیں۔ اسی وجود اور عدم وجود کے بیانیہ کو بلیک ہول کی تحلیل سے تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح وقت، موسموں، مابعد الطبیعاتی عناصر اور زندگی کو خانے بدوشوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عورت کو مرغابی، موت کو سفید چوہے، عقائد کو تتلیوں اور نوحؑ کی کشتی کو جزائر انڈیمان کی جدوجہد قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سیاسی یلغار کو سوروں اور مذہبی انتہا پسندی کو زعفرانی فصل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس طرح پورے ناول میں مابعد جدید بیانیے کی روایت جاری و ساری ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"مصنف نے تلازمہ خیال میں قوتِ واہمہ کی مدد سے عورت کے وجود کی اساطیری تقدیس پیش کی ہے۔ عورت کا وجود ہر دور کے عروج وزوال کا عنصر رہا ہے۔ سیاسی مہرے زبان بندی کو بطور ہتھیار انسانی جذبات کی تذلیل کرتے ہیں۔ ٹھگی کا استعارہ انسانی سفلہ افعال کے لیے ہے جو جذبات، اخلاقیات اور سیاست

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کے میدان میں نظر آتے ہیں۔آوازوں کی ریڈیائی بازگشت کو زندگی کی لا متناہی اثبات اور انسانی ذہن کی وسعت کی مانند قرار دیا ہے۔

اس ناول میں بیانیے کے بے شمار حساس ایشوز زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ جن میں غرناطہ کی تباہی و بربادی، ہزاروں برس کے عربی خزانے کو نذرِ آتش کرنا، انقلاب فرانس، بابری مسجد کا انہدام، گجرات کے فسادات، امر تسر گولڈن ٹیمپل کا واقعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلباء پر خونی تشدد، میانمار کے ہندو مسلم فسادات، نسلی منافرت اور اقلیتوں کی شہریت کے مسائل کو استعاراتی سطح پر پیش کیا گیا ہے۔"(۲)

اس حوالے سے ناول میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

"زمین پر خانہ بدوشوں کے قدم جم چکے ہیں اور اب لال قلعہ کی فصیلوں سے پرچم لہرانے کا وقت آ چکا ہے۔"(۳)

اوپر کے اقتباس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو خانہ بدوشوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔یہی استعاراتی انداز ہے جو اس ناول میں برتا گیا ہے۔اس طرح ناول میں مذہبی، نظریاتی، علاقائی اور جغرافیائی حد بندیاں بھی قید کے معنوں میں برتی گئی ہیں۔ناول کے ایک اور کردار مسیح سپرا کے کردار کو مختلف مباحث سے بُنا گیا ہے۔یہ کردار گرگھس کی طرح مردہ اصولوں، عقائد اور نظریات کا پجاری ہے۔اس طرح ذیل کے اقتباس میں بین الاقوامی طور پر مختلف ریاستی اداروں کے بارے میں یوں کہا گیا ہے :

"جیب۔۔۔اس میں فلائی اوور ہیں، نیشنل اور انٹر نیشنل بنک ہیں۔عدلیہ ہے، ایجنسیاں ہیں، خانہ بدوش ہیں، مذہب ہیں اور ہتھیار۔۔۔"(۴)

اسی طرح ناول میں مختلف تاریخی کرداروں کے ذریعے اس سرزمین پر حملہ آوروں جیسے محمد بن قاسم کے استعارے بھی ناول کا حصہ ہیں۔اس طرح چنگیز خان، ہلاکو خان کے ظلم اور بربریت سے لے کر مسولینی اور ہٹلر تک کے بادشاہوں کو مختلف بیانیوں کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے۔مختلف جبر کی داستانیں دنیا کو مردہ خانہ بنا رہی ہیں۔اس طرح کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو :

"ملک زمین کا ٹکڑا ہے۔۔۔مجھے چاروں طرف انسانوں کی لاشیں بکھری نظر آ رہی ہیں۔۔۔مجھے احساس ہوا کہ میں بھی مردہ ہوں۔۔۔اور وہ کروڑوں روحیں جو ملک اور بیرون ملک سے آواز لگا رہی ہیں کہ ہم سب مردہ ہیں۔۔۔مجھے وہ سب مردہ نظر آئے۔"(۵)

وحید احمد خان کے ناول "زہنو" میں بھی یہی استعاراتی انداز اپنایا گیا ہے اور اس طرح نو آبادیاتی ہتھکنڈے معاشرتی نظام میں داخل ہو کر یگانگت، ذہنی سکون اور نظریات کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور ایک نیا استعاراتی بیانیہ تشکیل پاتا ہے۔اس بیان کی دلیل میں یہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے :

"نو آباد کاروں نے اپنی شخصیت، اپنی ثقافت، اپنے عملی ورثے اور اپنے سیاسی نظریات کے ذریعے نو آبادیاتی افراد کی تہذیب و ثقافت کو بے دخل کرنے کی کوشش کی۔"(٦)

اس نظام سے ہر سطح پر طبعی، زمینی، نظریاتی اور اقتداری تبدیلیاں محکوم طبقات کو زیرِ تسلط لاتی ہیں اور وہ نو آبادیاتی ساہو کاروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن جاتے ہیں۔یہ اثرات اس کے قول و فعل، یہاں تک کہ نشت و برخاست پر بھی پڑتے ہیں۔اس حوالے سے یہ اقتباس قابل ذکر ہے جو مستنصر حسین تارڑ کے ناول "قلعہ جنگی" سے لیا گیا ہے :

"انجذاب کے عمل میں نو آبادیاتی باشندہ نو آباد کاروں کی زبان سیکھتا ہے اس کا لباس اختیار کرتا ہے۔اس کے طرز بود و باش کی نقل کرتا ہے۔ نقل و تقلید میں جتنا آگے جاتا ہے اپنی تاریخ، ثقافت اور اپنی اصل سے اتنا ہی دور چلا جاتا ہے۔"(۷)

وجہ یہ ہے کہ استعماری طاقتیں اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر محکوم اقوام کو کب کچھ سوچنے دیتی ہیں۔ ناول کے کرداروں میں سے ڈاکٹر ناصر، کبیر مہدی وغیرہ کے کردار اس نوآبادیاتی سے بغاوت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی سوچ ان کی اموات کی وجہ بن جاتی ہے۔ ناول نگار کے الفاظ میں:

"یہاں اپنے خواب کیا انگلی پکڑ کر چلنے والو کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔"(۸)

استعاراتی نظام کے پرتوں میں لپٹے ہوئے یہ کردار "غلام باغ" کو ایک لازوال ناول کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً بہار پر یورپی اقوام نے حکمرانی کی لیکن یہاں سے جا کر بھی ادھر اپنی سوچ مقامی ذہنوں کے اندر چھوڑ گئے۔ چاہے وہ کسی نظریے، امداد، ریسرچ، تاریخی بازیافت، خواہ کسی بھی شکل میں ہو، انھوں نے ہمارے ذہنوں کو بھی غلامی کی زنجیر پہنا دی ہے کہ ہم ان کے غلام دام بن چکے ہیں۔ مثلاً ہمارے آج کل کے نوجوان کی خواہش ہی یہی ہے کہ وہ بڑے ہو کر یورپ ہی جائیں اور وہاں ہی کے ہو کر رہیں گے۔ ناول نگار ترقی پذیر ممالک پر حکمرانی کے حوالے سے یہ اقتباس قابل تعریف ہے:

"کوئی مانے یا نہ مانے لیکن چٹی چمڑی، گورے بدن کا جادو بڑا ظالم ہے۔ یہی دراصل کالا جادو ہے۔ سفید بندے کو دیکھ کر دل کے اندر کہیں گھونسا پڑتا ہے۔"(۹)

حفیظ خان کے ناول "منتارا" میں بھی استعماری طاقتوں کے نفسیاتی حربوں کے ذریعے سے اپنی مرضی کی بساط بچھانے کے لیے مختلف استعاراتی اور علامتی انداز کے بیانیوں کا ذکر ہوا ہے۔ وہ انسانوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے ہیں۔ انھیں ایک خاص طریقے سے اور مختلف استعاراتی بیانیوں کے ذریعے سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس استعاراتی ایجنڈے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ خفیہ ایجنسیوں کو ساتھ ملا کر ایک خاص طرح کی لیڈر شپ منتخب کراتے ہیں اور پھر میڈیا کو ہاتھ میں لے کر ایک مخصوص بیانیہ بنایا جاتا ہے۔ یہ استعماری دائرہ اول تا آخر ایسی چالاکی سے بُنا جاتا ہے کہ اس طرح اپنی مرضی کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی و تجارتی اجارہ داری قائم کر دی جاتی ہے۔ اس طرح کے بیانیے آج کل کی دنیا میں روزمرہ کا معمول ہیں۔ ناول سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"جب جبھی کسی پردے کے عقب سے حکومت چلاتی ہو تو بہت سے ڈمی صدور، وزرائے اعظم اور وزرائے اعلیٰ اس مملکت کا مقدر رہے ہیں۔۔۔۔ کون سا سیاست دان اقتدار میں کیا چاہتا ہے، اس کا ادراک اسٹیبلشمنٹ کے بادشاہ گروں کو بھی خوب رہا تھا۔"(۱۰)

اس طرح اس ماحول سے ملٹی نیشنل ایجنسیاں مخصوص ممالک میں اپنے مخصوص ایجنڈے اور مخصوص لابنگ کے ذریعے سے اپنے مخصوص بندے اقتدار میں لا کر ان سے اپنے فوائد حاصل کرتی ہیں اور محکوم ممالک میں طبقاتی کش مکش پیدا کر کے اپنی مرضی کی پالیسیاں بنوا کر ان کے وسائل پر قابض ہو جاتی ہیں اور ایک خاص قسم کی نفسیاتی و استعاراتی و علامتی بیانیے کو فروغ دے کر ایک خاص مشن کے ذریعے اپنی من مانیاں کرتی ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کا ناول "خس و خاشاک زمانے" میں بھی علامتی و استعاراتی بیانیے کے حوالے سے اہم ہے۔ ناول کا مخصوص نام "خس و خاشاک زمانے" بھی اس مخصوص علامتی استعارے کہ علامت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ اس طرح اس کا انتساب "عطار کے پرندوں اور نئے آدم کے نام" سے بھی ایک خاص استعاراتی اظہار ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ناول کے بارے میں یہ اقتباس قابل توجہ ہے:

"اس ناول میں بے ثباتی کا تصور اور بقائے انسانی کے لیے ایک خواہش بھی مضمر ہے جسے علامتوں کے وجدان سے ظاہر کیا گیا ہے۔ بخت جہاں کی نیلی آنکھوں کی پھڑپھڑاہٹ کو نیلی تتلیوں سے تشبیہ دی ہے۔ مریم کی اکڑی گردن ایک استعاراتی کیفیت جو بخت جہاں کی ہمت اور ناقابل شکست شخصیت کے لیے علامت ہے۔ موت کے خوف کو زرد پتوں سے تشبیہ دی ہے۔ ناک کے لیے کرپان، ہونٹوں کے لیے خربوزے کی بھاگیں، کنوار پن کے لیے "کوزہ" مرد کی مردانگی اور بدخصلت کو بدمست ہاتھی کے مانند قرار دیا ہے۔ سفید مائی بوڑھیاں استعارتاً عورت کی آوارہ فطرت کی غماز ہیں۔ اینٹیں بنانے والے بھٹے کے مالک کو موت کے فرشتے سے تشبیہ دی اور بھٹے پر کام کرنے والوں کو مردہ جسم قرار دیا۔"(۱۱)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.7.No.4, 2024

اس طرح اس ناول میں کئی جہاں متعارف کرائے گئے ہیں اور مختلف النوع استعاراتی اور علامتی اظہاریے بیان ہوئے ہیں۔ غرض اس ناول میں ہمارے وطِ عزیز کے ہر پہلو کے حوالے سے علامتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ایک اور اقتباس کچھ یوں بیان ہوا ہے:

> "بک سیلر اور ٹیکسی ڈرائیور کی حیثیت "طوائف" کی سی ہے۔ جس طرح معاشرے میں "طوائف" ہر طرح کے لوگوں کو برداشت کرنے اور ملنے کا تجربہ رکھتی ہے مصنف بھی طوائف کی بدن فروشی کی طرح اپنے ملنے جلنے والے رشتہ داروں حتیٰ کہ اپنے عشقیہ جذبات کو بھی لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے اور خود کو بیچ دیتا ہے۔ تارڑ کے مطابق گبریل گارشیا مارکیز نے اپنے جنسی تعلقات کو خود کیش کرایا۔"(۱۲)

سیاستدانوں کو "جونکیں" جنرل ضیاء الحق کو "مردہ مینڈک کی آنکھیں" مدرسوں میں زیرِ تعلیم طلباء کو "پنیری" وغیرہ جیسے استعاراتی بیانیے "خس و کاشاک زمانے" کو ایک خاصے کی چیز بنا دیتے ہیں۔ حسین الحق کا ناول "اماوس میں خواب" سات دہائیوں کے سیاسی منظر نامے کو استعاراتی سطح پر طنزیہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ جس میں ہم اپنا سیاسی، مذہبی، تہذیبی و ثقافتی، معاشرتی، تاریخی غرض ہر سطح کا نقشہ دیکھ سکتے ہیں۔ ناول کا یہ اقتباس اسی حوالے سے ہے:

> "ٹوبہ ٹیک سنگھ مرا تو یہ سب کچھ ہوا، اور یہ بھی ہوا کہ دونوں طرف ایک جتھے والا دندناتا پھرا اور ایک جتھے والے منھ چھپاتے پھرے اُن پر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی موت کا الزام لگایا گیا۔"(۱۳)

اسی طرح ہماری معاشرتی حیثیت کے حوالے سے مختلف استعاراتی انداز سامنے آتے ہیں۔ ہند میں اسلامی تشخص کو مٹانے کے لیے مختلف تہوار اور رسمیں منائی جاتی ہیں۔ جیسے:

> "کچھ لوگ ہر دن تہوار منا رہے ہیں۔ جگہ جگہ پرانے مندر کھوج رہے ہیں اور ساری نت نئی یادگاروں کو نمایاں اور مشہور کرتے ہیں ہمارا قومی ذریعہ ابلاغ خوب نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔"(۱۴)

الغرض یہ بات پُروثوق کہی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی کے ان نمائندہ ناولوں لُمنا ستعاراتی اور علامتی بیانیہ کے ذریعے سے مختلف النوع موضوعات کو صفحۂ قرطاس پر ابھارا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مشرف عالم ذوقی، مرگِ انبوہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۹ء، ص ۱۲۷۔۱۲۸
۲۔ نازیہ، پروین، اکیسویں صدی میں اردو ناول بیانیے کا تنوع، (مقالہ غیر مطبوعہ)، گورنمنٹ کالج وویمن یونیورسٹی، فیصل آباد، ۲۰۲۱ء، ص ۳۲۵۔۳۲۶
۳۔ مشرف عالم ذوقی، مردہ خانے میں عورت، میٹر لنک پبلشرز، لکھنؤ، ۲۰۲۰ء، ص ۹۰۔۹۱
۴۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۵۔ ایضاً، ص ۵۳۶
۶۔ وحید احمد، زہنو، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۹
۷۔ مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۴۷۔۵۰
۸۔ مرزا اطہر بیگ، انٹریو، رخسانہ بی بی، بمقام جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۴ مارچ ۲۰۰۸ء
۹۔ رخسانہ بی بی، غلام باغ میں کار فرما تاریخی تصورات، مشمولہ، معیار، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۳
۱۰۔ ڈاکٹر عباس نئیر، نوآبادیاتی صورتِ حال، مشمولہ، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور زبان و ادب، مرتبین: ڈاکٹر ضیاء الحسن، ناصر عباس نئیر، اوئینٹل کالج، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۷۰
۱۱۔ نازیہ، پروین، اکیسویں صدی میں اردو ناول بیانیے کا تنوع، ص ۳۲۷۔۳۲۸
۱۲۔ نازیہ پروین، خس و خاشاک زمانے: فکری و فنی جہات، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء، ص ۹۱

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

۱۳۔ حسین الحق، اماؤس میں خواب، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰
۱۴۔ حسین الحق، اماؤس میں خواب، ص ۱۱۷